© rasailojaraid.com

جس کی آوازوں سے لذت گیر اب تک گوش ہے

ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم کی تحریروں سے چند اقتباسات

محبت ـــ روح اسلام

اگر پوچھا جائے کہ ان لاتعداد انبیاء کی تعلیم کا ماحصل یا نچوڑ کیا ہے تو ہم ایک لفظ میں یوں بیان کر سکتے ہیں کہ "محبت"۔ اسلام محبت کی تعلیم دیتا ہے۔ ایسی محبت کی تعلیم جو خالص، بے لاگ اور بے غرض ہو، جو دائمی اور لازوال ہو، جو اپنے کمال کی طرف ہمیشہ بڑھتی رہے اور جس میں کمی یا مایوسی کا قطعاً کوئی امکان موجود نہ ہو۔ (روحِ اسلام)

انسان، تاریخ اور انبیاء

انسان اس طرح بنایا گیا ہے کہ وہ محبت کے لئے بیقرار ہے، تڑپ رہا ہے، ہر آن اور ہر لمحہ محبت کی تلاش میں سرگرداں ہے۔ اُس نے اپنی ساری زندگی اسی تلاش کے لئے وقف کر رکھی ہے۔ وہ اس کی تلاش میں ٹھوکریں کھاتا ہے۔ بڑی ہلاکت خیز مصیبتوں سے دوچار ہوتا ہے۔ جان پر کھیل جاتا ہے، لیکن اس کی تلاش نہیں چھوڑتا، کیونکہ چھوڑ ہی نہیں سکتا۔ اس کی محبت اسے مجبور کرتی ہے کہ وہ ایک ایسے محبوب کی تلاش کرے جو اس کی فطرت کے تقاضائے محبت کو تمام و کمال پورا کر سکے، جسے وہ دل و جان سے چاہے، الفت کرے۔ پہلے انسان سے لے کر آج تک نوعِ بشر کی ساری تاریخ اسی محبوب کی تلاش کی ایک طویل داستان ہے جس کے اکثر باب خونچکاں اور دلفگار ہیں لیکن بعض دل افروز اور دلنواز بھی ہیں۔ خدا کے انبیاء اس لئے آئے تاکہ انسان کو بتائیں کہ وہ جس محبوب کو چاہتا ہے وہ کون ہے اور اسے محبت کرنے اور اس کی محبت اور رضامندی حاصل کرنے کا طریقہ کیا ہے؟ گویا دین اسلام، دین قیم یا انبیاء کی تعلیم کا مقصد یہ ہے کہ انسان کو اس کی دائمی غیر متبدل فطرت کے تقاضوں کا صحیح علم بہم پہنچایا جائے تاکہ اس علم کی مدد سے وہ ان کو باحسن طریق پورا کر سکے۔ (روح اسلام)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نیا جنم

رسولؐ کی مو بمو اطاعت کے بغیر ہماری محبت ترقی نہیں کر سکتی۔ جس طرح سے ایک دیئے سے دیا جلتا ہے اسی طرح سے رسولؐ کا پیرو رسولؐ کی محبت سے اپنے دلوں کی محبت کو زندہ کرتا ہے جو شخص اپنے آپ کو رسولؐ کی اطاعت میں دے دیتا ہے وہ گویا ایک نیا جنم لیتا ہے۔ یہ جنم اس کی محبت کا جنم ہے جس کے بعد اس کی محبت رسولؐ کے علم سے تربیت پا کر اس طرح ترقی کرتی ہے جس طرح ایک نومولود بچہ ماں کے دودھ سے تربیت پا کر جسمانی نشو و نما حاصل کرتا ہے۔

(روح اسلام)

حُبّ رسولؐ

اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلعم کے نور محبت یا علم سے بہرہ ور ہوں تو ہمیں چاہیئے کہ ہم رسولؐ کی ذات پر اس طرح سے انحصار کریں جس طرح ایک جنین اپنی نشو و نما کے لئے ماں کے جسم پر پورا پورا انحصار کرتا ہے۔ فقط اسی صورت میں ہم اپنی محبت کا وہ جنم پا سکتے جس کے بعد محبت کا ارتقاء شروع ہوتا ہے، پھر رسولؐ کی پیہم اطاعت کی وجہ سے ہماری محبت کے ارتقاء کا ایک ایسا دور بھی آئے گا جب دین کے اسرار ہم پر کھل جائیں گے اور ہم نیک و بد کا ذاتی امتیاز کرنے لگ جائیں گے۔ ارتقائے محبت کے اس نقطہ پر ہمیں اعتقاد اور عمل میں رسولؐ کے ساتھ ایسی مشابہت حاصل ہوگی جو بیٹے کو شکل و صورت میں اپنے باپ سے ہوتی ہے، کیونکہ ہمیں رسولؐ کی روحانی ابنیّت کا فخر حاصل ہوگا۔ قرآن میں بارہا آل و اولاد کا لفظ ان لوگوں کے لئے استعمال ہوا ہے، جو ایک آقا سے جذباتی اثر یا کسی تصوّر کی محبت قبول کرتے ہیں۔

جس طرح حرارت ایک بلند درجۂ حرارت رکھنے والے جسم سے گزر کر کم درجۂ حرارت رکھنے والے اجسام میں جو اس سے چھوٹے ہیں سرایت کراتی ہے یا جس طرح پانی ایک بلند سطح سے بے کران مقامات کو سیراب کرتا ہے جو اس کے آس پاس نیچے کی سطح پر واقع ہوں، اسی طرح سے محبت یا روحانیت کی لہر اس مقام سے گزر کر جہاں وہ سب سے زیادہ بلندی پر ہوتی ہے، نوع انسانی کو مستفید کرتی ہے۔ علم یا محبت کا نور پہلے ایک مقام پر فراہم ہوتا ہے اور پھر وہیں سے ارد گرد پھیلتا ہے۔ خاتم النبیینؐ کی ذات عالمِ انسانی میں محبت کا بلند ترین مقام ہے جہاں محبت کا پانی فراہم ہوا ہے۔ تاکہ نوعِ انسانی کی پیاس بجھائے۔ اگر ہم زندگی کے پانی سے سیراب ہونا چاہتے ہیں تو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم اس کے سرچشمہ یعنی رسولؐ کی ذات کے ساتھ ایک گہرا دلی تعلق قائم کریں۔

اخلاصِ عمل

اگرچہ یہ درست ہے کہ دین عمل ہے لیکن یہ درست کہ عمل دین ہے۔ عمل دین کے بغیر بھی ہو سکتا ہے اور ہمیں دیکھنا چاہیئے کہ ہمارے عمل میں دین کس قدر ہے۔ عمل کا مقصد خودی کی پرورش اور بہ آخر کار خودی کا معراج ہے۔ اگر عمل اخلاص اور محبت پر کیا جائے گا تو خودی کی پرورش کرے گا، ورنہ نہیں۔ اگر ہم ایک روبٹ (ROBOT) یعنی مشینی انسان کو نماز کی حرکات سکھا دیں اور وہ پانچ وقت نماز پڑھے تو کیا یہ کہنا درست ہو گا کہ اس نے دین کا ایک رکن قائم کر دیا ہے؟ وہی عمل دین ہے جس کی بنیاد محبت پر ہو۔

ختمِ نبوّت

ایک کامل نبی پر نبوّت کا اختتام وحدت خُدا اور وحدت انسانیت کا ایک لازمی نتیجہ ہے۔ اگر انبیاء کا سلسلہ تاقیامت جاری رہتا تو اس بات کی اُمید کبھی نہ ہو سکتی کہ کسی وقت نوعِ انسانی ایک کامل نبی کی روحانی قیادت میں ایک کامل تصورِ حیات پر متحد ہو جائے گی۔ (روحِ اسلام)

کیا خُدا کو دیکھنا ممکن ہے؟

اس سوال کا جواب معلوم کرنے سے پہلے ہمیں روئیت کی حقیقت پر غور کرنا چاہیئے۔ جب ہم کسی مادی چیز کو دیکھتے ہیں تو اس چیز پر نظر ڈالنے اور روئیت کا احساس کرنے تک جو عمل معرض وجود میں آتا ہے، وہ حسب ذیل ہے۔

کسی مادی چیز سے جو روشنی کی شعاعیں بکھر رہی ہوتی ہیں وہ ہماری آنکھوں پر پڑتی ہیں۔ ہماری آنکھوں کا محدب شیشہ انہیں سمیٹ کر چیز کا ایک عکس بناتا ہے، جس کی اطلاع عصب روئیت کے ذریعہ سے دماغ تک پہنچتی ہے اور دماغ کی معرفت ہمارے شعور کو اس چیز کی موجودگی کا احساس ہوتا ہے۔ گویا جو چیز خارج میں موجود کسی جسم کو دیکھتی ہے وہ دراصل ہمارا شعور ہی ہے اور ہمارا شعور بھی جو چیز دیکھتا ہے وہ خود جسم نہیں ہوتا بلکہ اس جسم کے چند اوصاف ہوتے ہیں جن کے مجموعہ کو ہی ہم وہ جسم قرار دیتے ہیں۔ دماغ، عصب روئیت، آنکھ اور روشنی فقط ان اوصاف کا علم حاصل کرنے کے آلات ہیں، جن کو ہمارا شعور اپنے کام میں لاتا ہے۔ جب شعور کو ان اوصاف کا واضح علم حاصل ہو جاتا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تو خواہ وہ جسم آنکھوں کے سامنے رہے یا نہ رہے شعور اجاگر ہے تو اس کو پھر دیکھ سکتا ہے اور جس قدر شعور کا علم واضح ہوگا، اسی قدر اس کی بلا واسطہ رویت جسم بھی واضح ہوگی۔ جب مومن کے دل میں مطالعۂ جمال اور مظاہرۂ جمال سے حق تعالیٰ کے اوصاف کی درجۂ کمال کو پہنچ جاتی ہے تو شدتِ محبت کی وجہ سے ذکر و فکر کے دوران مومن کی ساری توجہ ان اوصاف پر مرکوز ہو جاتی ہے۔ وہ اوصاف اس کے شعور پر چھا جاتے ہیں اور ان کا علم اس کے شعور پر پوری طرح سے حاوی ہو جاتا ہے۔ اس وقت مومن کا شعور حق تعالےٰ کو بالکل اس طرح سے دیکھتا ہے جس طرح سے اس دنیا کی کسی اور چیز کو دیکھنا اس کے لئے ممکن ہوتا ہے۔ چونکہ یہ رویت ان آنکھوں سے نہیں جو مادی اجسام کے دیکھنے کے لئے ایک ذریعہ کے طور پر بنائی گئی ہیں۔ اس لئے حدیث کے الفاظ ہیں۔ کانک تراہ گویا تو خدا کو دیکھ رہا ہے یعنی وہ دیکھتا تو ہے لیکن یہ دیکھنا آنکھوں کے ذریعے سے عمل میں نہیں آتا۔ یہودیوں نے موسیٰ علیہ السلام سے مطالبہ کیا تھا کہ جب تک ہم خدا کو روبرو نہ دیکھیں ہم تجھ پر ایمان نہیں لائیں گے۔ حالانکہ ایمان لانا خدا کو دیکھنے کی پہلی شرط تھی، اس کٹ حجتی کے لئے ان کو سزا دی گئی۔

اعمال نامہ

انسان کا لاشعور گویا اس کے سارے افعال و اعمال کا ایک ناقابل محو ریکارڈ ہے۔ ہم جب چاہیں معمول پر ہپناٹک نیند طاری کر کے اس کے ریکارڈ کے کسی حصہ کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔ اس ریکارڈ کی موجودگی کا ایک بیّن ثبوت یہ بھی ہے کہ اس سے ہمارے روزمرہ کے خوابوں کا تار و پود تیار ہوتا ہے۔ انسان کا لاشعور گویا اس کا اعمال نامہ ہے جو اس کی گردن میں ڈال دیا گیا ہے اور ہر روز لکھا جاتا ہے۔ اس سے انسان کا چھٹکارہ نہیں اور یہی اس کی قسمت کی نحوست اور سعادت کو معین کرتا ہے۔

لاشعور اور حیات بعد الموت

فرائڈ ہمیں بتاتا ہے کہ لاشعور کا خاصہ ہے کہ وہ انسانی زندگی کے تمام چھوٹے بڑے واقعات من و عن ضبط رکھتا ہے۔ اس کا مزید ثبوت اسے اس بات سے بھی حاصل ہوا کہ ہمارے خواب جن علامات کو کام میں لاتے ہیں، ان کے تار و پود میں بعض ایسے واقعات بھی آتے ہیں جو دور دراز کے عہدِ ماضی میں رونما ہوئے ہیں اور جن کو ہم بیداری میں اس طرح سے فراموش کر چکے ہوں کہ کوشش سے بھی یاد نہ کر سکتے ہوں۔ اس لئے یہ بھی معلوم کیا کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خواہ یہ واقعات ایک دوسرے کے نقیض ہوں وہ ایک دوسرے کو کالعدم نہیں کرتے بلکہ ہر واقعہ لاشعور کے اندر اپنی جداگانہ حیثیت سے موجود رہتا ہے اور وقت کے گزرنے سے کسی واقعہ کے اندر ذرہ بھر تغیر پیدا نہیں ہوتا۔ نیز لاشعور کی دنیا وقت اور فاصلہ کے قوانین کے عمل سے باہر ہے اور یہاں فلسفیوں کی یہ بات غلط ثابت ہو جاتی ہے کہ ہمارا ہر ذہنی عمل وقت اور فاصلہ کے قوانین کا پابند ہے۔

فرائڈ لاشعور کی ان خاصیات پر بے حد تعجب کا اظہار کرتا ہے۔ اسے بجا طور پر یقین ہے کہ لاشعور کی یہ خاصیات فطرت انسانی کے بہت سے قیمتی رموز و اسرار کی حامی ہیں اور لہذا حکماء کو دعوت دیتا ہے کہ ان کو اپنے غور و فکر کا موضوع بنائیں اور ان کے رموز و اسرار سے پردہ اٹھائیں۔

فرائڈ کو معلوم نہیں کہ قرآن نے آج سے بہت پہلے نہ صرف یہ کہہ دیا تھا کہ ہر عمل جو انسان سے سرزد ہوتا ہے نفسِ انسانی میں تا قیامت جوں کا توں محفوظ رہتا ہے بلکہ اس نے یہ بھی بتا دیا تھا کہ انسانی اعمال کی حفاظت کے اس قدرتی اہتمام کے اندر کون سے مقاصد اور کون سی حکمتیں اور رموز پوشیدہ ہیں؟ اگر فرائڈ فلسفیوں کو دعوتِ فکر دینے کی بجائے قرآن کی طرف رجوع کر سکتا تو اپنے ذوقِ دریافت کی تسکین کا پورا سامان وہاں پاتا اور فرائڈ کو معلوم نہیں کہ نبوت کی رہنمائی کے بغیر فقط ذہن کی کاوشوں سے لاشعور کے ان اوصاف کے رموز و اسرار پر حاوی ہونا فلسفیوں کے بس کی بات نہیں۔ البتہ نبوت کی روشنی ان کی ذہنی کاوشوں کو بہت دور تک صحیح راستہ پر لے جا سکتی ہے۔

قرآن انسان کے نامۂ اعمال کے متعلق تین باتیں بیان کرتا ہے۔ اوّل یہ کہ وہ انسان سے الگ نہیں ہوتا بلکہ اسی کا ایک جزو ہوتا ہے۔ وکل انسان الزمنہ طیرہ فی عنقہ (ہر انسان کے اعمال اس کی گردن میں لٹکا دیئے ہیں)، گویا انسان کا نامۂ اعمال اس سے باہر کی کوئی قوت نہیں لکھتی بلکہ اس کی اپنی فطرت کی قوتیں ہی اسے لکھتی ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ تمام انسانی قوتوں کے عمل پر اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو مامور کر رکھا ہے۔ دوئم یہ کہ اس نامۂ اعمال کے اندر ہر چھوٹے سے چھوٹے اور بڑے سے بڑے عمل کا اندراج ہو جاتا ہے۔ قیامت کے دن انسان جب اپنا نامہ اعمال پڑھے گا تو پکار اٹھے گا۔

ماھذا الکتاب لا یغادر صغیرۃ ولا کبیرۃ الا احصاھا۔ (اس نوشتۂ عمل کو کیا ہے کہ میرا کوئی چھوٹا یا بڑا عمل ایسا نہیں جو اس سے رہ گیا ہو۔) سوئم یہ کہ یہ نامۂ اعمال موت کے بعد انسان کے ساتھ جاتا ہے اور انسان اس کے مطابق اچھے اعمال کی جزا اور برے اعمال کی سزا پاتا ہے۔

جب تک اس تیسری بات کو نہ مانا جائے فرائڈ کے نتائج مہمل رہتے ہیں اور دراصل فرائڈ کے دونوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نتائج خود اس تیسرے نتیجہ کی طرف واضح راہ نمائی کر رہے ہیں۔

ذکر و فکر

مطالعہ جمال، صفاتِ جمال کی علامات کے ذریعہ سے ہوتا ہے۔ ہر انسان کی زندگی میں مطالعہ جمال کی اولین ابتدا مظاہر قدرت پر غور و فکر کرنے سے ہوتی ہے کیونکہ کائنات خدا کا فعل ہے اور خدا کی صفات کمال اس کے اندر اسی طرح سے ظہور پذیر ہیں جس طرح ایک مصوّر کے شاہکار ہیں۔ اس کا کمالِ ہنر جلوہ ریز ہو۔ مظاہر قدرت پر غور و فکر سے انسان کا چارہ نہیں کیونکہ انسان چاروں طرف سے گھرا ہوا ہے ؎

نگاہ ہو تو بہائے نظارہ کچھ بھی نہیں
کہ بیچتی نہیں فطرت جمال و زیبائی

لہٰذا ہر انسان مجبوراً صفاتِ جمال سے ایک ابتدائی تعارف پیدا کرتا ہے۔ اسی سے اس کے ایمان یا احساسِ حسن کا آغاز ہوتا ہے جس کے لئے اس کی فطرت کے اندر ایک مناسبت موجود ہے ؎

وہ اپنے حسن کی مستی سے ہیں مجبور پیدائی
مری آنکھوں کی بینائی میں ہیں اسباب مستوری

اس قسم کے مطالعہ جمال میں انسان اپنے احساسِ حق کو بیدار کرنے اور ترقی دینے کے لئے مظاہر قدرت کو جو قوانین قدرت کے تابع بود نما ہوتے ہیں، خدا کی صفات کی علامات کے طور پر کام میں لاتا ہے۔ لیکن جب مومن کا احساس حسن ذرا ترقی کر جاتا ہے تو پھر اسے مزید ترقی دینے کے لئے وہ ایک اور قسم کی علامات کو بھی کام میں لاتا ہے اور وہ الفاظ کی علامات ہیں جنہیں قرآن حکیم نے اسمائے حسنیٰ کہا ہے۔ ان الفاظ کے معانی پر غور و فکر کرنے اور ان پر اپنی توجہ مرکوز کرنے سے مومن کی محبت صفات میں اضافہ ہوتا ہے۔ یہ مطالعہ جمال کا دوسرا طریق ہے اور اسے ذکر کہتے ہیں۔ اس کی اصل بھی صفاتِ جمال پر غور و فکر ہے۔ زبان سے اسمائے حسنیٰ کا نام لینا یا یاد کرنا ان غور و فکر کرنے کا ایک ذریعہ ہوتا ہے۔ چونکہ اسمائے حسنیٰ سب کے سب مدح و ستائش کے نام ہیں، لہٰذا ذکر محبوب کی مدح و ستائش اور اس کی عظمت و جمال اور کبریائی کے اعتراف اور اقرار کی صورت اختیار کرتا ہے۔ ستائش حسن اگرچہ احساس حسن کے اظہار ہی کا دوسرا نام ہے اور احساسِ حسن کا نتیجہ ہے، لیکن یہ ایک ایسا فعل ہے جو خود احساس حسن کی کیفیت کو بدلتا جاتا ہے اور اسے ترقی دیتا اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عمیق تر اور قوی تر کرتا جاتا ہے، کیونکہ اس سے اوصاف حسن پر توجہ مرکوز ہوتی ہے اور ان پر غور و فکر کرنے کا موقع ملتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اوصافِ باری تعالیٰ کی خوبی اور جمال سے پردے اُٹھ جاتے ہیں، ان کا حُسن اور نمایاں ہو جاتا ہے اور ان کی محبت اور معرفت بڑھ جاتی ہے۔ ذکر کا مقصد حسن کی ستائش ہے جو دراصل انسان کے ضمیر کا فعل ہے اور محض اس کی زبان کا فعل نہیں۔ ذکر انسان کے دل کی کیفیت کا نام ہے، اس کی زبان کی کیفیت کا نام نہیں۔

خدا کی حمد و ستائش، تحسین و تسبیح، تقدیس و تہلیل ذکر کی صورتیں ہیں صرف وہی ذکر جو سچے احساس کا نتیجہ ہو، جس میں خشوع و خضوع، تضرع اور ابتہال، سوز و گداز اور بیم و رجا کے عناصر موجود ہوں، مومن کے احساس حسن کو عمیق تر اور قوی تر کرتا ہے اور اس کی محبت اور معرفت کو ترقی دیتا ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآن ہم سے عبادت میں اخلاص طلب کرتا ہے اور فقط زبان سے چند کلمات کا تکرار طلب نہیں کرتا۔

(روح اسلام)

عقیدہ تقدیر

نصب العین کی محبت قوی ہو تو تقدیر کا عقیدہ ہمیں ایسے عمل سے باز نہیں رکھ سکتا، جو اس محبت کا تقاضا ہو، بلکہ اس کے برعکس اس کا ممد و معاون بن جاتا ہے۔ تقدیر کے ساتھ ساتھ ہم اس بات کے بھی تو قائل ہیں کہ تقدیر اسباب کے ذریعہ سے اپنے مقاصد کو پاتی ہے اور ہم کو خدا کی تقدیر کا علم نہیں بلکہ فقط ان اسباب کا علم ہے جو بالعموم تقدیر کو صورت پذیر کرتے ہیں۔ جب ہمارے دل میں ایک نصب العین یا مدعا کی شدید محبت یا خواہش پیدا ہوتی ہے تو ایک زبردست اندرونی دباؤ ہمیں مجبور کرتا ہے کہ ہم وہ عمل اختیار کریں جو ہمارے تجربہ کے مطابق بالعموم اس کی تکمیل کا ذریعہ ہوتا ہے اور تقدیر کا عقیدہ اس دباؤ میں کمی نہیں کرتا، بلکہ اور اضافہ کرتا ہے، کیونکہ اس صورت میں ہم یہ نہیں کہتے "کہ میں یہ کام نہیں کرتا۔ اگر میری تقدیر میں کامیابی لکھی ہو تو میرا مدعا خود بخود حل ہو جائے گا" بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ مجھے اس کام کو بلا خوف و خطر کر گزرنا چاہیئے، کیونکہ اس کے بغیر میرا چارہ نہیں اور اس میں جو خوف یا خطرہ مجھے محسوس ہوتا ہے وہ خدا کی تقدیر کے بغیر کوئی حقیقت نہیں رکھے گا۔

(پاکستان کا مستقبل)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اقتصادی انسان ـــ ایک مغالطہ

اقتصادی انسان فقط اقتصادی انسان ہی نہیں ہوتا بلکہ اخلاقی انسان، روحانی انسان اور سیاسی انسان بھی ہوتا ہے۔ اس کی اقتصادی، اخلاقی، روحانی اور سیاسی حیثیتوں میں سے ہر ایک کے اندر اس کی تمام حیثیتیں گم ہوتی ہیں، لہٰذا انسان کو فقط اقتصادی انسان اور حرص کا پتلا اور دولت کا پرستار فرض کر کے اس کا جو مطالعہ کیا جائے گا وہ درست نہیں ہوگا اور اس کی بنا پر جو نتائج مرتب کئے جائیں گے وہ صحیح ہوں گے۔ بعض وقت انسان کے نصب العین کے بلند ہونے سے اس کے بظاہر اقتصادی افعال کے محرکات اور دواعی کچھ اس طرح سے بدل جاتے ہیں کہ اُن کو محض اقتصادی نقطۂ نظر سے سمجھنا ممکن نہیں ہوتا۔ جب انسان کی اقتصادی فعلیت خدا کے نصب العین کے ماتحت نہ ہو تو وہ کسی غلط، ناقص اور باطل نصب العین کے ماتحت ہوتی ہے۔ اس حالت میں اس کے اندر وہ تمام خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں جن کو جلبِ منفعت، استحصال اور مزدور کی حق تلفی وغیرہ اصطلاحات سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

ان خرابیوں کو دُور کرنے کا فطری اور کامیاب طریق یہ ہے کہ تعلیم کے ذریعہ سے سوسائٹی کو باخُدا بنایا جائے اور اس طرح سے ان کے نصب العین کو جو ان کے اعمال کی قوت محرکہ ہے اُن کی فطرت کے مطابق کر دیا جائے۔

(حکمتِ اقبال)

دورِ حاضر کا فتنہ ارتداد

باطل مذہب براہِ راست اور بلا واسطہ اسلام کے مقابلہ پر آتا تھا۔ باطل فلسفہ براہِ راست اور بلا واسطہ اسلام کے مقابلہ پر نہیں آتا بلکہ علم اور عقل کے نام سے اس کا مقابلہ کرتا ہے۔ جب اسلام کی تردید کرتا ہے تو اسلام کا نام نہیں لیتا بلکہ اسلام سے اس طرح قطع نظر کرتا ہے کہ گویا اسے معلوم ہی نہیں کہ اسلام بھی اسکے حریف کی حیثیت سے دنیا میں کہیں موجود ہے اور وہ اسے مٹانے کے لئے میدان میں نکلا ہے، بلکہ وہ علمی تحقیق اور عقلی استدلال کے بل بوتے پر انسان اور کائنات کی ایک ایسی تشریح کرتا ہے، جس میں خدا اور رسالت اور دین کے لئے کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی، کیونکہ اسلام بھی انسان اور کائنات ہی کا ایک نظریہ ہے۔ وہ عقیدہ اور سند کو قابلِ اعتنا نہیں سمجھتا بلکہ وہ ان کو علم اور عقل کے معیار پر پرکھتا ہے اور صرف قدرت اور اس کے قابلِ تعبیر و تردید قوانین کے نام پر لامذہبیت اور دہریت کی طرف دعوت دیتا ہے، لیکن باطل فلسفہ کے اثر سے جب کوئی مسلمان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسلام کو ترک کرتا ہے تو وہ مجبور نہیں ہوتا کہ بپتسمہ یا شدھی کی طرح کی کسی رسمی کارروائی میں سے گزرے، مسلمانوں کی جماعت سے الگ ہو جائے یا ان سے اپنے، سماجی، اقتصادی اور سیاسی تعلقات منقطع کرے یا اپنی بود و باش کے طریقوں کو بدل دے یا شادی اور بیاہ اور دوستی اور رشتہ داری اور میل ملاقات کے لئے کسی اور قوم سے راہ و ربط پیدا کرے، کیونکہ اسلام کے اس نئے ہوشیار دشمن نے اپنے پرستاروں کو اجازت دے رکھی ہے کہ تم مذہب سے بیزار ہو کر اور خدا اور رسولؐ کے دشمن بن کر رہو تو کوئی حرج نہیں کہ تم پھر اسلام ہی کے دائرہ کے اندر رہو۔ چنانچہ اس دشمن دین و ایمان سے رشتہ جوڑنے والے آج نصف سے بھی زیادہ مسلمان ایسے ہیں جو یا تو خدا کے منکر ہیں یا وحی کے یا رسالت کے یا حیات بعد الممات کے یا جزا اور سزا کے اور یا ان سب کے۔

(قرآن اور علم جدید)

علاّمہ اقبال کا مقام

وہ خاتم الانبیاءؐ جنہوں نے نوعِ انسانی کو حقیقتِ کائنات کا کامل تصور عطا کیا ہے جناب محمد مصطفےٰؐ ہیں۔ وہ فلسفی جس نے علمی حقائق کی ترقیوں کے اس دور میں سب سے پہلے اپنے فلسفہ کی بنیاد نبوت کاملہ کے عطا کئے ہوئے کامل تصورِ حقیقت پر رکھی اقبال ہے اور وہ فلسفہ جو اس دور کے علمی حقائق کو نبوت کے عطا کئے ہوئے کامل تصورِ حقیقت کی بنیادوں پر منظم کرتا ہے فلسفہ خودی ہے۔ (حکمتِ اقبال صد۳۴)

اقبال آئندہ کی مستقل عالمگیر ریاست کا وہ ذہنی اور نظریاتی بادشاہ ہے جس کی بادشاہت کو زوال نہیں۔ ایک معمولی آدمی کے لئے جو رسول نہیں بلکہ رسولؐ کا ایک ادنیٰ غلام ہے عظمت کا یہ مقام اس قدر بلند ہے کہ اس سے بلند تر مقام ذہن میں نہیں آسکتا۔ اقبال اپنے اس مقام سے آگاہ ہے یہی سبب ہے کہ وہ بار بار اپنے اشعار میں کہتا ہے کہ اسے زندگی کے راز سے آشنا کیا گیا ہے۔ (حکمتِ اقبال صد۴۴)

پھر اقبال کی خصوصیت کیا ہے؟ پھر کیوں نہ اس مسلمان فلسفی کو نوعِ بشر کا آخری فلسفی اور آئندہ کے عالمگیر ذہنی انقلاب کا بانی قرار دیا جائے اور پھر اس سلسلہ میں شاہ ولی اللہ اور محی الدین ابن عربی ایسے اکابر اسلام کا نام لیا جائے۔ لیکن اس زمانے کے خاص ذہنی حالات اور خاص علمی ماحول اور مقام کی بنا پر اقبال کے فلسفہ کو جو خصوصیات حاصل ہوئی ہیں وہ آج سے پہلے کسی مسلمان فلسفی کے فلسفہ کو حاصل نہ ہو سکتی تھیں اور نہ حاصل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نومبر 73

ہو سکی ہیں۔ (حکمتِ اقبال صـ۴۶)

ہمارے انحطاط کی انتہا کے زمانہ میں ہمارے حق میں قدرت کا پہلا تائیدی قدم یہ تھا کہ اس نے ایک فلسفی شاعر ہم میں پیدا کیا جو اسلام کی گہری بصیرت رکھتا تھا۔ جس نے اسلام کا ایک نیا فلسفہ ہمیں دیا اور اس فلسفہ کو گا کر سنایا۔ ہم نے اس کے پیغام کو سراہا اور اس کے گرد جمع ہو گئے۔ اس کے عوض کا دوسرا احسان ہم پر یہ ہوا کہ ہمیں ایک ریاست عطا کی گئی جس کا مطلب یہی ہے کہ ہم اسلام کے پیغام اور فلسفہ کو ریاست کی اساس بنائیں۔ اگر ہم نے ایسا کیا ہم پر ایک ایسے انعام کا دروازہ کھل جائے گا جس کا تصور میں لانا بھی مشکل معلوم ہوتا ہے، لیکن جس کا عطا کرنا خدا کے لئے مشکل نہیں۔ میری مراد دنیا کی حکومت ہے لیکن اگر ہم نے قدرت کے اس تازہ اقدام کی تائید نہ کی تو تعجب نہیں کہ قدرت پاکستان ہم سے چھین لے۔

(پاکستان کا مستقبل صـ۱۵۲)

فلسفہ خودی کی اہمیت

جب پاکستان بن گیا تو میں نے قائداعظم کی خدمت میں اپنی کتاب کا ایک نسخہ بھیجا اور ایک طویل عریضہ لکھا کہ کس طرح سے اگر پاکستان کو ایک اسلامی ریاست بنایا گیا تو اس کا مستقبل ہماری توقعات سے زیادہ شاندار ہو گا اور اور کس طرح سے فلسفہ خودی اس زمانہ کی اسلامی ریاست کی مشکلات کا قدرتی حل ہے۔

(مقدمہ پاکستان کا مستقبل)

اسلام اور کفر کی کشمکش اس وقت ایک بحرانی نقطہ پر پہنچی ہوئی ہے اگر فلسفہ خودی پاکستان کا سرکاری نظریہ بن گیا تو یہ کشمکش فوراً اسلام کے حق میں اور کفر کے خلاف جائے گی۔ اگرچہ یہ تعین کرنے کی وجوہات موجود ہیں کہ فلسفہ خودی پاکستان کا سرکاری نظریہ قرار پانا قدرت کا اپنا مقصد ہے جو پورا ہو گا، لیکن خدا اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے ہم سے کام لینا چاہتا ہے۔ آیئے ہم اس کام کے لئے کمر ہمت باندھ لیں تاکہ بعد میں پچھتانا نہ پڑے۔ اگر ہم نے آج سستی کی تو خدا تعالیٰ کے مقاصد تو نہ رکیں گے البتہ ہمارا کوئی ٹھکانا نہ ہو گا۔

(پاکستان کا مستقبل)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسلام کا مستقبل

باطل کی قوت اس وقت اس ایک ایسے مرحلہ پر پہنچ گئی ہے کہ یا تو اسلام مٹ جائے گا یا فوراً دنیا پر پھیل جائیگا لیکن اسلام اس زمانہ میں نئے علمی ہتھیاروں سے اس لئے آراستہ نہیں ہوا کہ وہ باطل سے مٹا دیا جائے، بلکہ اسلئے ہوا ہے کہ وہ باطل کو مٹا دے۔ اسلام کی فطرت میں مٹنا نہیں بلکہ مٹانا اور غالب رہنا ہے۔

(دوپاکستان کا مستقبل ص ۱۵۳)

جو قوم آخرکار کامل نظام تصورات کو اپنی زندگی کی حقیقی بنیاد بنائے گی وہ روئے زمین پر حکومت کرے گی، کیونکہ اس کے ظاہری حالات خواہ کیسے ہی مایوس کن ہوں، فطرت اسے عروج و کمال پر پہنچانے کیلئے بیتاب ہے۔

قدرت ان تمام ترقیوں سے جو وہ نوع انسانی کو آج تک نصیب کرتی رہی ہے صرف ایک قوم کی تعمیر کرنا چاہتی ہے اور خاتم النبیّین کی امت ہے، اگرچہ اس قوم کی تعمیر کے ساماں کا بہت سا حصہ اس وقت دوسری قوموں میں بکھرا ہوا ہے، لیکن بالآخر وہ یکجا کر کے اسی قوم کے سپرد کیا جائے گا۔ مسلمان مطمئن رہیں کہ جو کچھ دنیا پیدا کر چکی ہے، وہ ان ہی کا ہے اور جو کچھ دنیا نے ابھی پیدا نہیں کیا وہ خود پیدا کرنے والے ہیں۔

(دوپاکستان کا مستقبل)

نصب العینوں کا زمانہ

یہ زمانہ نصب العینوں کا زمانہ ہے، کیونکہ اس زمانہ میں انسان کے نصب العینوں نے یہاں تک ترقی کرلی ہے کہ وہ اس کی جبلی اور حیوانی خواہشات سے صاف طور پر نظر آرہے ہیں اور علمی اور عقلی نظریات کی شکل میں نظر آرہے ہیں۔ جس قدر نصب العین واضح ہوتے جارہے ہیں اور عقل اور علم کا لباس پہنتے جارہے ہیں اس قدر نصب العینوں کی باہمی جنگ بھی زیادہ شدید اور تباہ کن ہوتی جارہی ہے۔

© rasailojaraid.com